SEMESTER 2 MA.URDU

CC-8(B) MARSIA

Presented by. Dr.Shahab Zafar Azmi,Associate Professor

Department of Urdu Patna University.Patna

Mob;8863968168 Email;drshahabzafar.azmi@gmail.com

سبق کے خدو خال

0 مقصد

1 تعارف

2 اردو مرثیے کا آغاز وارتقاء

3 مرثیہ کے عناصر

4 مرثیہ کی ادبی اہمیت

5 سلام

6 نوحہ

7 سانحۂ کربلا کا مختصر خاکہ

8 خلاصہ

9 مشق کے سوالات

10 مزید مطالعہ کے لئے سوالات

0 مقصد

رثائی شاعری میں اردو مرثیہ کو فنی نقطۂ نظر سے ایک خاص عظمت و وقار حاصل ہے کیونکہ صرف اردو کو یہ فخر و امتیاز حاصل ہے کہ اس نے مرثیہ کو ایک منفرد صنف سخن کی حیثیت سے متعارف کرایا، اس کے فنی اور ہیئتی لوازمات کا یقین کیا اور دنیائے شاعری میں رزمیہ نگاری کا بہترین نمونہ پیش کیا، اس کی اہمیت کے پیش نظر یہ اکائی ''مرثیہ'' کے تعارف پر مشتمل ہے تاکہ طلبہ اس صنف کی تفصیل سے واقف ہو سکیں۔

1 تعارف

مرثیہ اردو ادب کی آبرو اور سب سے قیمتی سرمایہ اور سب سے زیادہ جاندار صنف ہے۔ یہ صنف عالمی ادب میں ایپک (Epic) اور ڈرامے کے مقابلے میں پیش کی جا سکتی ہے ویسے مرثیہ نہ ایپک ہے نہ ڈراما۔ لیکن اس میں ایپک کی وسعت بھی ہے اور ڈرامے کی گہرائی بھی۔ مرثیہ نیم ڈرامائی نیم بیانیہ نظم ہے۔

''مرثیہ'' عربی کا لفظ ہے جو ایک اور لفظ ''رثٰی'' سے مشتق ہے۔ رثٰی کے معنی ہیں مردے پر رونا اور آہ وزاری کرنا۔ مرثیوں کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(1) وہ مرثیے جو حضرت امام حسین اور ان کے ساتھیوں کی شہادت اور کربلا کے دیگر واقعات پر مبنی ہیں۔ (2) وہ مرثیے جو مختلف مشاہیر قوم یا کسی عزیز کی موت پر لکھے جاتے ہیں انہیں ''شخصی مرثیے'' کہتے ہیں۔

اردو میں شخصی مرثیے کہے گئے جیسے مولانا حالؔی کا مرثیہ غالب ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے ''والدہ مرحومہ کی یاد میں'' جو نظم کہی ہے وہ بھی بقول صالحہ عابد حسین اردو کے بہت عمدہ مرثیوں میں شمار کی جا سکتی ہے۔ اردو میں مرثیہ اس واقعہ سے مختص ہو گیا جس نے اسلامی دنیا میں تہلکا مچادیا۔ یعنی جو حضرت امام حسینؓ کی شہادت اور اہل بیت کے مصائب سے متعلق ہے۔ اردو مرثیہ کا سانچا خاص اردو زبان سے آیا ہے نہ یہ عربی سے آیا ہے نہ فارسی سے۔ اس کی مثال دوسری زبانوں میں نہیں ملتی۔ بقول ڈاکٹر سید حامد حسین اردو مرثیہ کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی اردو زبان کی تاریخ۔ سارے دکنی شعرا جیسے وجہؔی، غواصؔی، نصرتؔی، محمد قلی قطب شاہ نے مرثیے لکھے۔ دکنی دور کے مرثیے اردو شاعری کا اولین نمونہ بھی ہیں۔

2 اردو مرثیے کا ارتقاء

شمالی ہند میں مرثیہ گوئی کا آغاز اٹھارویں صدی کی ابتدا میں ہوتا ہے۔ ولؔی کا دیوان دلّی پہنچا۔ شمالی ہند میں دکنی مرثیے کی آمد شروع ہو گئی، سوؔدا نے گو مربع میں مراثی کہے لیکن مسدس کی شکل میں سب سے پہلے سودا ہی نے مرثیے کہے۔ رفتہ رفتہ مسدس ہی مرثیہ کی مقبول شکل بن گئی۔ ڈاکٹر اسد اریب لکھتے ہیں کہ میر انیس کی مرثیہ نگاری میں جو نئے باب روشن ہوئے انہیں سوؔدا نے ہی کھولا تھا شاہان اودھ چونکہ شیعہ عقیدہ رکھتے تھے اس لیے اس زمانے میں مرثیہ گوئی کو فروغ حاصل ہوا۔ خلیقؔ، ضمیرؔ، انیسؔ، اور دبیر نے اس مرثیہ میں درد کے اثر کو درجہ کمال تک پہنچا دیا، طویل مرثیے سوؔدا کے عہد سے ہی شروع ہو گئے۔ چونکہ مرثیہ کا موضوع مجموعی طور پر ایک ہی تھا یعنی سانحۂ کربلا۔ بار بار ایک ہی واقعہ کو دہرانا پڑتا تھا اس لئے مرثیہ نگار وسعت دینے کے لئے اس واقعہ کو مختلف زاویوں سے پیش کرنے لگے۔ چنانچہ امام حسینؑ کی مدینہ سے روانگی، مسلم بن عقیل اور ان کے بچوں کی کوفے میں شہادت، کربلا میں ورود، پھر شہادت، سفر شام، قید خانے کی صعوبتیں، پھر مدینہ تک واپسی تک کے واقعات پر الگ الگ مرثیے لکھے گئے۔ کربلا میں حضرت قاسم، علی اکبر، علی اصغر، عباس علمدار، عون ومحمد پر الگ الگ مراثی لکھے جانے لگے۔ ان مرثیوں میں ان اصحاب کی ذہنی کیفیات اور سراپا اور ان کے محسوسات بیان ہونے لگے۔ اہل بیت کے علاوہ امام حسین علیہ السلام کے اعوان وانصار جیسے حُر، حبیب ابن مظاہر اور زہیر ابن قین کو بھی مرثیوں میں جگہ دی گئی۔ صالحہ عابد حسین لکھتی

ہیں کہ مرثیہ میں شہیدان کربلا کی سیرت اور شخصیت کو اجاگر کر کے ان کو ایک طرف ادب کا کردار بنایا تو دوسری طرف پڑھنے اور سننے والوں سے ان کا مفصل تعارف کرانے کی رسم کی بنیاد ڈالی۔

میر ضمیؔر نے مرثیہ کو معیاری پیکر دیا، اجزائے ترکیبی متعین کئے۔ مرثیہ ایک ترقی یافتہ صنف شاعری بن چکا ہے۔ انیسؔ و دبیؔر نے اس سانچے کو قبول کیا اور اسے ایک اعلیٰ اور آزاد صنف ادب کی آبرو دی۔ انیسؔ نے فطرت انسانی، سادگی اور خلوص فن سے اردو مرثیہ کو لازوال نمونے عطا کیے تو دبیؔر نے اپنی فن کارانہ چابکدستی، زبان و بیان پر حیرت انگیز قدرت، موضوعات کے تنوع اور واقعات کی کثرت سے مرثیے کو نئی وسعت اور وقار دیا۔ انیسؔ اور دبیؔر نے پہلی بار اردو شاعری جوان جذبات واحساسات اور فطرت انسانی کے باعظمت پہلوؤں سے روشناس کیا جن کی غزل کے روایتی اسلوب بیان میں گنجائش نہیں نکلتی تھی۔ ان مراثی نے اردو شاعری کو اس کے خلاقانہ منصب سے آگاہ کیا۔ حق و باطل کی کشمکش پیدا کی جو اردو شاعری کی کسی دوسری صنف میں نہ نکل سکی۔ یہی نہیں مرثیہ نگاروں نے اردو شاعری کو اعلیٰ بیانیہ خصوصیات سے بھی آشنا کیا۔ مرثیہ نگار نے جہاں واقعے کی ڈرامائی ترتیب کی ضرورت کو محسوس کیا وہیں اس نے کرداروں کے اقوال وافعال اور روابط عمر مرتبہ اور جنس کے لحاظ سے امتیاز کرنا سیکھا۔ منظرکشی، سراپا نگاری، تلوار اور گھوڑے کی تعریف میں اس نے بسا اوقات روایتی تخیل آفرینی سے کام لیا مگر اعلیٰ تاثیر پیدا کرنے کے لئے اس کو اپنی نفسیاتی بصیرت اور حقیقت نگاری سے کام لینا پڑا۔ انیسؔ و دبیر نے اردو مرثیے کے ان سارے معنوی اور فنی امکانات کو دریافت کیا۔ انھیں وسعت دی اور انھین ایک نئی شعری روایت کی حیثیت سے پختگی عطا کی۔ مرثیہ گویون نے اپنی بے پناہ تخلیقی قوت سے اس محدود میدان کو نہایت وسیع و ہمہ گیر بنادیا اور اس صنف کو اعلیٰ اور عظیم شاعری کی صف میں لا کھڑا کیا۔ اس کے لیے انہوں نے انسانی رشتوں، جذبات واحساسات کی آفاقیت اور شعر کے جملہ محاسن کو ہر لمحہ پیش نظر رکھا۔ یہ صنف محض رونے اور رلانے کے جذبے اور طرز اظہار تک محدود نہیں رہی

مرثیہ اردو شاعری کی ایسی واحد صنف ہے جو پوری طرح ایک خاص ثقافتی مزاج، عقیدہ اور سلسلۂ روایات کی آئینہ دار ہے۔ چنانچہ اس کا فروغ اس ثقافتی ماحول سے وابستہ رہا۔ شاہان اودھ کے زوال کے بعد انگریزوں کے عہد میں مرثیہ نگاری سرپرستی سے محروم ہوگئی۔ پھر بھی اسے لکھنو میں مرکزیت حاصل رہی غالباً اسی وجہ سے مرثیہ میں سماجی فضا عرب کے بجائے ہندوستانی ہے اس پر لکھنؤ کی زبان و معاشرت کا گہرا اثر ہے رسم ورواج، ماحول، بول چال یہاں تک کہ توہمات تک ہندوستانی ہیں۔ لکھنوی زندگی میں جہاں ایک خاص قسم کی نفاست۔ نوک پلک اور تیکھاپن ہے وہاں ایک خاص قسم کا تکلف اور تصنعّ بھی موجود ہے۔ لیکن زبان اور محاورے کی وہ نوک پلک اور بول چال کا وہ تیکھاپن بھی پایا جاتا ہے جو لکھنوی معاشرت کی ایک صفت ہے۔

مرثیے میں مثنوی کا سا رنگ بھی ہے کہ اس میں مسلسل داستان ملتی ہے جس طرح مثنوی میں مختلف کردار ہوتے ہیں مرثیے میں بھی مختلف کردار ہوتے ہیں۔ وہ ایک شاندار المیے کے افراد ہیں خیر کے نمائندے ہیں شر سے برسرپیکار ہیں۔ یہ اوصاف ان میں مشترک ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی ذاتی خصوصیات ہیں جو انھیں ایک دوسرے سے متمیز کرتی ہیں۔ مثلاً امام حسینؓ کا علم وفضل اور حلم و بردباری حضرت

زینب کی اپنی بھائی سے بے حد محبت۔

مرثیہ میں ڈرامائی رزم و پیکار کے تمام عناصر بھی موجود ہیں۔مختلف موقعوں پر افراد قصہّ کے جذبات کا تجزیہ نہایت خوبی سے کیا گیا ہے۔محمد احسن فاروقی نے اپنے مضمون ''مرثیہ نگاری اور انیس'' میں کہا ہے کہ ''انیس کا کمال یہ ہے کہ اس نے ہر صنف سخن کے مغز سے فائدہ اٹھا کر مرثیے کو ایک ایسی چیز بنا دیا ہے جس میں مثنوی ،قصیدہ ،غزل ،ڈرامہ داستان سبھی چیزوں کا رنگ جھلکتا ہے اور اس کے باوجود اس صنف سخن کی انفرادیت قائم رہی ہے۔

وہ فضا جو مرثیہ کی خاص فضا تھی مٹ گئی۔وہ ماحول نہ رہا جس میں مرثیہ پنپتا تھا اور وہ محرکات وعوامل نہ رہے۔مرثیہ کا قدیم رنگ انیسؔ، دبیر اور ان کے خانوادوں کے افراد کے ساتھ ختم ہو گیا لیکن مرثیہ بحیثیت صنف ختم نہیں ہوا۔مرثیے کا سفر ان کے بعد بھی جاری رہا جوش ،نجم آفندی ،نسیم امروہی ،جمیل مظہری ،آل رضا ،ڈاکٹر صفدر حسین اور آغا سکندر مہدی اور وحید اختر اس سلسلے کے نمایاں نام ہیں۔

ڈاکٹر اسد اریب اپنی تصنیف ''اردو مرثیہ کی سرگزشت'' میں لکھتے ہیں کہ ''تشکیل پاکستان کے بعد مجلسی تہذیب نے مرثیے کے درماندہ کاروان کو بہت ہی تیزی کے ساتھ آگے بڑھایا۔میر انیسؔ کو مرثیے کے فن کا فل اسٹاپ نہیں سمجھنا چاہیے''۔پرانے مرثیے کا آخری اور نئے مرثیے کا ابتدائی سرا جس شخص کے ہاتھوں میں ہے۔وہ اس عہد کا سب سے کہنہ مشق شاعر نجم آفندی ہے۔نجم آفندی نے بیسویں صدی کے پہلے ربع میں مرثیے پر جو شعری تجربات کیے تھے۔ان کے تجزیے سے نسل نو نے جی بھر کے فائدہ اٹھایا۔

جمیل مظہری نے اپنے مرثیے کو قدرے جدا کر کے لکھا انھوں نے اپنے مرثیے میں غزل کی زبان ،اور تغزل کے لب و لہجے کو نہایت عمدگی سے ساتھ برتا۔آل رضا اور جمیل مظہری دونوں معاصر شعرا تھے۔نسیم امروہی اردو مرثیے کی روایت میں ایک مضبوط کڑی کی حیثیت رکھتے ہیں۔انہوں نے نقلی اور عقلی دلائل کے ساتھ کربلا کے فلسفۂ شہادت کو آشکار کیا ہے۔نجم اور جوشؔ کے بعد مرثیے کے ممتاز شعرا کی صف میں کئی نام آتے ہیں ان نمایاں ناموں میں ایک نام ڈاکٹر صفدر حسین کا ہے۔

مرثیہ بھی اور اصناف کی طرح زندہ اور متحرک صنفِ سخن ہے۔ہر عہد میں مرثیے نے بھی تبدیلیوں کو قبول کیا اور مسلسل ارتقا کا سفر طے کیا ہے۔اب مرثیے کے اجزائے ترکیبی کی ہیئت پہلے جیسی نہیں رہی اب یہ بات پرانی ہو چکی ہے کہ مرثیہ صرف سانحہ کربلا سے متعلق مخصوص نظم کا نام ہے۔

3 عناصر مرثیہ

میر ضمیر نے مرثیے کے حسب ذیل عناصر قائم کیے:

(1) چہرہ (2) سراپا (3) رخصت (4) آمد (5) رجز (6) رزم (7) شہادت (8) بین (9) دعا

چہرہ:۔چہرہ دراصل مرثیہ کی تمہید ہے۔اس میں صبح کا منظر ،رات کا سماں ،گرمی کی شدت ،سفر کی دشواریاں ،حمد ومنقبت ،تشخص ذاتی کے احساس اور تعلّی وغیرہ کے مضامین بیان کیے جاتے ہیں

یا رب چمن نظم کو گلزار ارم کر
اے ابر کرم خشک زراعت پہ کرم کر
تو فیض کا مبدا ہے توجہ کوئی دم کر
گمنام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر
جب تک یہ چمک مہر کے پر تو سے نہ جائے
اقلیم سخن میرے قلم رو سے نہ جائے

(انیس)

سراپا:۔اس میں مرثیے کے ہیرو کے قد وقامت اور خدوخال بیان کیے جاتے ہیں۔اس کی روحانی اور باطنی خوبیوں کے ساتھ شکل و صورت کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

حضرت عباس کا سراپا:

ماہ بنی ہاشم تو زمانے میں لقب تھا
کیا حسن تھا کیا زور تھا کیا حسب و نسب تھا
انداز سراپا اسد اللہ کا سب تھا
الاّ قد عباس کہ مشہور عرب تھا
گر جلوہ نما ہوتے تھے وہ خانۂ زیں پر
تو پاؤں لٹکتے ہوئے رہتے تھے زمیں پر

(انیس)

رخصت:۔حضرت امام حسین علی کے خیمے سے جب کوئی بہادر میدان جنگ کی طرف کوچ کرتا ہے تو سب اہل خیمہ اسے بہ حسرت و یاس قوت ایمانی کے ساتھ رخصت کرتے ہیں۔اس موقع پر مختلف النوع جذبات پر مبنی جو اشعار کہے جاتے ہیں انہیں اصطلاحاً ''رخصت'' کہا جاتا ہے۔

حضرت امام حسین علیہ اسلام رخصت ہو رہے ہیں

جب پڑھ چکے شہ بعد فریضہ کی دعائیں
فرمایا کہ رخصت کے لئے بیبیاں آئیں

چھاتی سے پھر اک بار سکینہ کو لگائیں
کچھ بانو بھی کہہ لیویں تو سر دینے کو جائیں
بیووں سے ملاقات کی فرصت نہ ملے گی
پھر عصر تلک بات کی مہلت نہ ملے گی
(انیس)

آمد:۔ ہیرو کی میدان جنگ میں آمد اور ہیرو کے گھوڑے کی تعریف مرثیے کا ایک اور اہم جز ہے۔

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
رن ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے
رستم کا بدن زیر کفن کانپ رہا ہے
ہر قصر سلاطین زمن کانپ رہا ہے
شمشیر بہ کف دیکھ کے حیدرؑ کے پسر کو
جبریلؑ لرزتے ہیں سمیٹے ہوئے پر کو
(دبیر)

رجز۔ عرب میں رواج تھا کہ میدان جنگ میں جب فریقین ایک دوسرے کے آمنے سامنے اور آمادہ پیکار ہوتے تھے تو نبرد آزمائی سے قبل ایک دوسرے کو للکارتے تھے اور اپنی اپنی شجاعت، دلیری، قوت و عظمت کا نہایت طاقت اور جوش سے اظہار کرتے تھے۔ شعر میں اس موقع کی تصویرکشی اور فریقین کے فخریہ اظہار کو ''رجز'' کہا جاتا ہے۔

حضرت امام حسین علیہ اسلام کی زبانی یہ اشعار:

دنیا کو اک طرف تو لڑائی کو سر کروں
آئے غضب خدا کا اُدھر، رخ جدھر کروں
بے جبرئیل کارِ قضا و قدر کروں
انگلی کے اک اشارے میں شق القمر کروں
طاقت اگر دکھاؤں رسالت مآب کی
رکھ دوں زمیں پہ چیر کے ڈھال آفتاب کی
(انیس)

رزم:۔ رجز کے بعد جنگ کا منظر آتا ہے۔شجاعت،طاقت اور حرب وضرب کے مضامین کو ڈرامائی انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔مرثیہ کا سب سے اہم اور عظیم الشان عنصر رزمیہ ہے۔اس میں جنگ بہ تفصیل اور تمام جزئیات بیان کیے جاتے ہیں شاعرانہ فکر،زورِ تخیل اور قوت اظہار کے شاہکار اسی حصے میں نظر آتے ہیں

اللہ رے زلزلہ کہ لرزتے تھے دشت ودر
جنگل میں چھپتے پھرتے تھے ڈر ڈر کے جانور
جنات کانپ کانپ کے کہتے تھے الحذر
دنیا میں خاک اڑتی ہے، اب جائیں ہم کدھر
اندھیر ہے ،اٹھی برکت اب جہان سے
لو مل گیا زمیں کا طبق آسمان سے

(انیس)

شہادت:۔ جنگ کے منظر کی انتہا ہیرو کی شہادت پر ہوتی ہے۔وہ مقام ہے،مرثیے کا سامع جس کا شدت سے منتظر رہتا ہے۔اور اسے حاصل مجلس سمجھا جاتا ہے۔شہادت کا بیان نہایت سادے پیرائے میں کیا جاتا ہے

حضرت امام حسینؑ لخت جگر کی حالت زار دیکھ کر فرماتے ہیں:

کیوں کھینچتے ہو پانو کو اے میرے گلُ عذار
کیوں ہاتھ اٹھا اٹھا کے پٹکتے ہو بار بار
آنکھیں تو کھول دو کہ مرا دل ہے بے قرار
بیٹا !تمہاری ماں کو تمہارا ہے انتظار
بہنیں کھڑی ہیں در پہ بڑے اشتیاق میں
اکبر !تمہاری ماں نہ جیے گی فراق میں

بین:۔ ہیرو کی شہادت کے بعد اس پر بین اظہار تاسف کے ساتھ مرثیے پر پہنچتا ہے۔عموماً یہ مرثیے کا آخری حصہ ہوتا ہے اور رنج والم کے جذبات کی عکاسی کے لحاظ سے نہایت پُر اثر ہوتا ہے۔

حضرت امام حسین کی شہادت پر بی بی زینب یوں بین کرتی ہیں:

بھیا مرا کوئی نہیں تم خوب ہو آگاہ
احمدؐ ہیں نہ زہراؑ نہ حسنؑ ہیں نہ بابا اللہؑ

ڈھارس تھی بڑی آپ کی ، اے سید ذی جاہ
چھوڑا مجھے جنگل میں یہ کیا قہر کیا آہ
چلتے ہوئے کچھ مجھ سے نہ فرما گئے بھائی
بہنا کو نجف تک بھی نہ پہونچا گئے بھائی

دعا:۔ خاتمہ کلام پر شاعر دعا کرتا ہے۔ اپنے مرثیے کو شفاعت اور بخشش کا ذریعہ بننے کی دعا کرتا ہے۔ کبھی مرثیہ گو اپنی جماعت کے فلاح و بہبود کے لئے دعا کرتا ہے:

خامے کو بس اب روک انیسؔ جگر افگار
خالق سے دعا مانگ کہ اے ایزد غفار
زندہ رہیں دنیا میں شہ دیں کے عزادار
غیر از غم شہ ، ان کو نہ غم ہو کوئی زنہار
آنکھوں سے مزار شہ دلگیر کو دیکھیں
اس سال میں بس روضۂ شبیر کو دیکھیں

4 مرثیہ کی ادبی اہمیت :

سید محمد عقیل اپنی تصنیف ''مرثیے کی سماجیات'' میں لکھتے ہیں ''مرثیہ بہت دنوں تک صرف مذہبی چیز سمجھا جاتا رہا اور اس پر کسی طرح ادبی بحث کرنا سوء ادب تھا لیکن مرثیے پر باقاعدہ ادبی بحث کا آغاز شبلی نے ''موازنۂ انیس و دبیر'' لکھ کر کیا۔ شبلی نے مرثیے کو عقیدے کے حصار سے نکال کر اسے تنقیدی ادب کے ایوان میں داخل کیا اور پھر مرثیے پر ادبی مباحث کا دروازہ کھل گیا''۔

مرثیہ کی ادبی قدر و قیمت متعین کرنے سے پہلے یہ بہت ضروری ہے کہ معتقدات سے بحث نہ کی جائے۔ صرف ادبی محاسن پر نظر رکھی جائے۔ مرثیہ کا بنیادی مقصد رلانا ہے۔ شیعوں کے عقیدہ کی رو سے اہل بیت کے مصائب پر رونا ثواب ہے۔ اس سے قطع نظر رونا غیر فطری بات بھی نہیں، رونے سے ہمدردی و محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور ان عظیم ہستیوں کی تقلید کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اور ان پر ظلم کرنے والوں کی طرف سے غصہ و نفرت کے جذبات ابھرتے ہیں۔

مرثیوں میں انسانی فطرت کے سارے جذبات پائے جاتے ہیں۔ جیسے محبت و اخلاص ، جرأت ، ثابت قدمی ، غیظ و غضب ، حسد و نفرت ، وفاداری ، صبر و ایثار ، نفس کشی ، بے لوثی وغیرہ۔ مرثیوں میں ساری شعری خوبیاں پائی جاتی ہیں ۔ محمد حسین آزاد ، شبلی ، امداد امام اثر وغیرہ نے مرثیوں کی ادبیت کو تسلیم کیا ہے۔ سید علی عباس حسینی فرماتے ہیں:

''اردو مراثی کی وسعت ان کے موضوعات کا تنوع، ان میں مضامین کی گونا گونی، ان کی اعلیٰ ترین اخلاقی تعلیم، ان میں بیان کردہ کردار اور سیرت اور ان کی بلندیاں اور پستیاں، ان میں مناظر فطرت کی گونا گوں رنگینیوں کے ذریعہ اردو زبان میں ہزاروں تشبیہوں اور استعاروں کا اضافہ وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو انہیں قابل فخر ادبی حیثیت دیتی ہیں۔

جوؔش نے مرثیہ کو احتجاجی شعور سے روشناش کیا۔ بقول ڈاکٹر عقیل رضوی ''حسین اور انقلاب'' کے ساتھ مرثیے کی سماجی ساخت میں ہندوستان کی اس وقت کی سوسائٹی کی ڈھرکنیں سنائی دینے لگتی ہیں۔''

بقول ڈاکٹر اسد اریب ''ہمارے خیالات کے نئے آفاق پر مرثیہ اب جدید زندگی کی روشن علامتوں، نئے سیاسی استعاروں اور دھنک کی خوش رنگ لہروں کا ایسا مرقع بن گیا ہے جو کہیں کہیں تو خود اردو نظم کے لئے بھی قابل رشک ہے۔ بالخصوص جوشؔ، نجم آفندی، اور ڈاکٹر صفدر حسین کے مسدس ''طلوع فکر''، ''فتح مبیں''، اور جلوۂ تہذیب'' وغیرہ۔ ان نئے مرثیوں میں نمایاں تبدیلیاں یہ تھیں۔

(1) مرثیے کے چہرے کو منظر فطرت سے ہٹا کر عصر حاضر کے احوال و آثار سے مخصوص کر دیا۔

(2) مرثیے کی روایتی زبان میں ترمیم و اصلاح کی

(3) مربوط خیالات کی ایسی نظم بنا دیا جو اول تا آخر اپنے نفس مضمون (حسینی شہادت) سے ہم رنگ ہو۔ بُکا اور بین (مصائب) کے لیے ایسے واقعات کا انتخاب کیا جو نتیجتاً اس عہد کے مظلوم و مجبور انسانی طبقوں میں حوصلہ مندی کا باعث بنے۔

جوش کا مرثیہ ''حسین اور انقلاب'' اور ان کی مسدس ''طلوع فکر'' مسدس کی روایت میں زور بیان، حسن معانی، اور شکوہ مضامین کے اعتبار سے ادب عالیہ میں شمار کیا جاتا ہے۔'' (ڈاکٹر اسد اریب)

نجم آفندی نے قدیم لب و لہجہ سے بغاوت بھی کی ہے۔

جس نے امور خیر کو بخشی حیات نو
جس کی نوائے درد میں ہے زندگی کی رو
جو سو گیا بڑھا کے چراغ وفا کی لو
صدیوں سے جس کے نقش قدم دے رہے ہیں ضو
بدلی عمل کی شکل ارادے بدل دیئے
جس نے مطالبات کے جادے بدل دیئے

5 سلام :

سلام مرثیے کے غزلیہ اسلوب کا نام ہے۔ مرثیہ ہمیشہ تحت اللفظ پڑھا جاتا ہے۔ اور پڑھنے کا مقام منبر ہے۔ مگر سلام کے لئے منبر ضروری نہیں۔ وہ تکیوں کے سہارے بیٹھ کر فرش مجلس پر پڑھا جاتا ہے۔ سلام کی تکنیک اور ہیئت (form) وہی ہے جو غزل کی ہے۔ پہلا مطلع ہوتا

ہے قافیہ اور ردیف کا التزام کیا جاتا ہے مقطع کا اہتمام ہوتا ہے۔ جس طرح غزل کا ہر شعر اپنے اندر ایک الگ مفہوم رکھتا ہے اسی طرح سلام کے اشعار بھی الگ تھلگ رہ سکتے ہیں۔ غزل کا انداز رمز و کنایہ اس کا ایک وصف ہے۔ یہی کیفیت سلام میں ہوتی ہے۔ جس طرح غزل کے مطلع میں شاعر تعلّی کرتا ہے فخر و مباہات سے کام لیتا ہے اسی طرح سلام میں کام لیتا ہے۔

لگا رہا ہوں مضامین نو کے پھر انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

(انیس)

مجموعی حیثیت سے اس کی فضا پاکیزہ خیالات، تزکیہ نفس کے جذبات ناپائداری حیات کے اظہار اور اتباع سیرت معصومینؑ سے معمور ہوتی ہے۔

لکھنو کے مرثیہ گو شاعر ہی سلام کے بھی موجد ہیں۔ میر ضمیرؔ، دلگیرؔ، میر انیسؔ، دبیرؔ کے علاوہ بہت سے شعرا نے سلام لکھے۔ دور جدید میں بھی اس صنف نے کافی ترقی کی ہے۔ ذیل میں، دبیر کا سلام، ملاحظہ ہو۔

قافلہ شہہ کا سلالی لب دریا اترا
پر مقدر میں نہ اک پانی کا قطرہ اترا
امتحاں کی جو ترازو میں قضا نے تو لا
حُر وفاداریٔ شبیرؑ میں پورا اُترا
سجدۂ حق سے نبیؐ نے نہ اٹھا یا سرکو
پشت اقدس سے نہ جب تک کہ نوا سا اُترا
فوج منزل پہ اُترتی تو سکینہ کہتی
صاحبو دیکھو کدھر ہے مرا بابا اُترا
عقد کی صبح کو کس دولہ کا یہ حال ہوا
تن سے سر اُترا سرِ پاک سے سہرا اُترا
گرد بیٹوں کو اٹھا کر یہ کہا زینب نے
میرے بھائی کی بلا رد ہو یہ صدقہ اُترا
جلد وہ دن ہو دبیرؔ آکے کہیں اہل نجف
ہند سے آکے کہاں [illegible] اُترا

6 نوحہ :

محرم کی مجلسوں میں سلام، سوز، اور مرثیہ کے بعد کوئی عالم تقریر کرتا ہے۔ تقریر کے خاتمے پر ماتم کا آغاز ہوتا ہے۔ جونہی ماتم کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں نوحہ شروع کر دیا جاتا ہے۔

نوحہ غزل کی صورت میں لکھا جاتا ہے۔ نوحے میں واقعات کربلا کے علاوہ اخلاقی مضامین، دنیا کی بے ثباتی وغیرہ کا ذکر ہوتا ہے۔ غزل کی طرح نوحے میں مطلع، مقطع اور قافیہ ردیف کا التزام ہوتا ہے۔ لیکن اس کی زبان، استعارے اور علامتیں غزل سے مختلف ہوتی ہیں۔

نمونہ:۔

سجدے سے سر کِسی کا اٹھا روشنی ہوئی
عشرت کی صبح آئی قیامت بنی ہوئی
اُلٹی ہوئی وہ قاسم و اکبر کی آستین
عباس و نامدار کی تیوری چڑھی ہوئی
پانی کی بندشوں پہ حقارت کی اک نظر
عزت کی موت سے وہ نگاہیں لڑی ہوئی
وہ رخصت حسینؑ وہ پردہ اٹھا ہوا
خیمے میں یا علیؑ کی صدا گونجتی ہوئی
وہ رفتہ رفتہ عالم تنہائی حسینؑ
ننھی سی قبر ہاتھ میں مٹی بھری ہوئی
سجدے وہ جن پہ سجدۂ کون و مکان نثار
حیرت سے کربلا کی زمیں دیکھتی ہوئی

7 سانحۂ کربلا کا مختصر خاکہ :

سانحۂ کربلا کے ہیرو حضرت امام حسینؑ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے چھوٹے نواسے اور اسلام کے ہیرو علیؑ مرتضیٰ کے بیٹے تھے۔ آنحضرت کا تعلق قبیلۂ بنی ہاشم سے تھا۔ چونکہ بنو ہاشم کا عرب میں عزت و احترام تھا اور خانہ کعبہ کے متولی ان ہی میں سے چنے جاتے تھے جو بڑے شرف کی بات تھی اس لئے خاص طور پر بنو امیہ کو بنو ہاشم سے حسد تھا۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد امیر معاویہ نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ لیکن مکہ، حجاز اور عراق میں بہت سے لوگ ایسے موجود تھے جو رسول اللہؐ کی جانشینی اور خلیفۂ وقت ہونے کے قابل صرف [illegible] کے جگر گوشہ اور نواسے امام حسن علیہ السلام اور حسینؑ کو سمجھتے تھے۔ انھوں نے امام حسنؑ کو خلیفہ تسلیم کر لیا تھا۔ امیر معاویہ نے امام

حسن علیہ اسلام کے پاس پیام اور قاصد بھیجے اور کچھ شرائط پر صلح کرنی چاہی۔ ایک شرط یہ تھی کہ اگر وہ اس وقت خلافت سے دست بردار ہو جا ئیں تو امیر معاویہ کے بعد وہی خلیفہ ہوں گے اور ان کے بعد امام حسینؑ۔ غرض صلح نامہ پر دستخط ہو گئے۔ مگر اس کے بعد 50ھ میں امام حسنؑ کو زہر دے کر شہید کر ڈالا گیا۔ امیر معاویہ شام میں لوگوں سے اپنے بیٹے یزید کے لئے بیعت کرنے کا وعدہ لیتے رہے اور جب وہ وفات پا گئے تو یزید نے فوراً اپنے خلیفہ رسول ہونے کا اعلان کر دیا۔ یزید ایک بد کردار، فاسق و فاجر، ظالم اور نا انصاف شخص تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اُسے اور اس کی خلافت کو سب سے بڑا خطرہ رسولؐ کے نواسے حسینؑ سے ہے جن کی شرافت، نجابت، زہد و عبادت، دین داری و حق پرستی اور خلق خدا کی خدمت نے عرب لوگوں کے دلوں کو مسخر کر رکھا تھا

چنانچہ یزد نے حکومت کا اعلان کرتے ہی مدینے کے حاکم کو حکم بھیجا کہ حسینؑ بن علیؑ سے فوراً میری بیعت لے اور وہ نہ مانیں تو ان کو قتل کر ڈالے۔ نواسۂ رسول کو مار ڈالنا آسان نہ تھا۔

امام حسینؑ کوفے کی سمت روانہ ہوئے جہاں سے لوگ برابر آپ کو بلاتے رہے۔ پہلے انھوں نے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ اپنا سفیر بنا کر روانہ کیا۔ حضرت مسلم بن عقیل اپنے دونوں لڑکوں کے ساتھ کوفہ روانہ ہو گئے۔ پہلے تو کوفے کے لوگ مسلم کے ساتھ رہے لیکن یزید کے گورنر آل رسولؐ کا دشمن ابن زیاد نے ظلم و سختی شروع کی تو کوفی مسلم سے پھر گئے۔ امام حسین کوفے کی طرف بڑھتے رہے ۔ راستے میں معلوم ہوا کہ حضرت مسلم اور ان کے دونوں لڑکوں کو شہید کر دیا گیا۔ آگے بڑھے تو یزیدی فوج کے ایک افسر حُر بن ریاحی نے آپ کا رستہ روکا۔

ماہ محرم کی دو یا تین تاریخ تھی کہ حسینی قافلہ نینوا کی بستی کے پاس پہنچ گیا۔ یہی بستی تھی جو کربلا کے نام سے مشہور ہوئی ۔ یہاں دریائے فرات کی ایک شاخ بہتی ہے جس کا نام علقمہ تھا۔ امام حسینؑ نے وہاں پڑاؤ ڈال دیا۔ یزیدی فوج کے کچھ دستے امام حسینؑ کے خیمے نہر کے کنارے نصب کرنے مانع ہوے۔ انھوں نے امام حسین علیہ اسلام کی مختصر فوج کو گھیر لیا۔ ناکہ بندی کر دی اور ساتویں محرم سے پانی بند کر دیا۔

9 محرم کو شمر بن ذالجوشن نے امام کو مزید مہلت دینے سے انکار کر دیا۔ امام حسینؑ نے صرف ایک رات کی مہلت مانگی تاکہ وہ رات عبادت میں بسر کی جائے۔ اسی رات حضرت امام حسینؑ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ انُ میں کوئی اپنی جان بچا کر جانا چاہے تو جا سکتا ہے کیونکہ صبح ہوتے ہی ان کی شہادت یقینی ہے۔ پھر شمع گُل کر دی تاکہ جو جانا چاہے اندھیرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے چلا جائے اور اُسے شرمندہ ہونا نہ پڑے۔ ستر کے قریب جانباز رُک گئے۔ عین نماز فجر کے وقت تیروں کی بوچھار سے جنگ کا اعلان ہوا۔

حضرت عباس کو لشکر کا علم بردار چُنا گیا اکبر کو سپہ سالار بنایا گیا۔ سب سے پہلے حُر بن ریاحی فوج مخالف سے حسینؑ کی طرف چلا آیا۔ پھر میدان جنگ میں لڑ کر حسینؑ پر اپنی جان قربان کر دی۔ پھر حسینؑ کے رفقاء ایک کے بعد ایک میدان کی طرف روانہ ہوئے اور شہادت پائی

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد خیموں میں آگ لگا دی گئی۔ دوسرے دن عورتوں اور بچوں کو رسی سے باندھا بے کجاوہ اونٹوں پر سوار کیا اور اونٹوں کی مہار امام حسینؑ کے بیمار فرزند سید سجاد کے ہاتھ دی گئی جن کے گلے میں طوق اور پیروں میں بیڑیاں پہنا دی گئی تھیں۔ اور ان کو کربلا سے کوفہ اور وہاں سے شام لے جایا گیا۔ ہر مقام پر حسینؑ کی بہن حضرت زینب اور حضرت ام کلثوم پُر اثر خطبے دیتیں۔ شام میں یزید نے اہل بیت رسول کو ایک تیرہ و تار قید خانے میں بند کر دیا مگر اب دنیائے اسلام پر اس کی حرکتوں کا راز فاش ہو چکا تھا۔ خود یزید کی بیوی ہندہ جو آل رسولؐ اور امام حسینؑ کی عقیدت مند تھی سخت برہم تھی۔ آخر یزید کو مجبور ہو کر اہلِ حرم کو قید سے رہا کرنا پڑا۔

(کربلا کے المیہ کا یہ مختصر خاکہ صالحہ عابد حسین کی تصنیف ''انیس کے مرثیے'' سے لیا گیا ہے)

8 خلاصہ :

اردو کی بیشتر اصناف شاعری فارسی شاعری کی مرہون منت ہیں، لیکن صرف مرثیہ ایسی صنف ہے جس نے ہندوستان کی سرزمین میں نشو نما پائی اور پروان چڑھی۔ اس کا قطعی یہ مطلب نہیں کہ فارسی اور عربی میں رثائی شاعری موجود نہیں تھی۔ عربی و فارسی میں رثائی شاعری کے بہت سے نمونے موجود ہیں۔ لیکن ان کی نوعیت جداگانہ ہے۔

اردو مرثیہ سے مراد ایسی بیانیہ نظم ہے جس میں شہدائے کربلا، ان کے اعزا و اقربا کے سانحے سے متعلق بیانات ہوں۔ اور اسی کے پیش نظر عناصر ترکیبی مرتب کئے گئے جو چہرہ، سراپا، رخصت، آمد، رجز، رزم، شہادت، بین، دعا کے ناموں سے جانے جاتے ہیں۔ اردو مرثیہ کے یہی اجزائے ترکیبی ہیں جن کی وجہ سے اردو مرثیہ منفرد ہوا۔ اردو مرثیہ کی صنفی اور ادبی خصوصیات کے علاوہ سب سے بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں ہندستانی عناصر کی بھرپور نمائندگی ہوتی ہے۔ ثقافتی اعتبار سے بھی اس صنف نے اپنے اندر صدیوں کی روایات و اقدار اور رسوم و رواج کو سمیٹ رکھا ہے۔

9 مشق کے سوالات :

(۱) مرثیے کے فن اور اس کی ادبی اہمیت پر روشنی ڈالیے

(۲) اردو میں مرثیے کے ''ارتقاء'' پر مضمون لکھیے۔

(۳) سانحہ کربلا کا مختصر خاکہ قلمبند کیجئے۔

(۴) مرثیہ کے اجزائے ترکیبی سے واقفیت کا اظہار کیجیے۔

(۵) سلام اور نوحہ کی تعریف بیان کیجئے۔

10 مزید مطالعہ کے لیے کتابیں۔

(۱) انیس کے مرثیے ۔ صالحہ عابد حسین

(۲) اردو مرثیہ ۔ اظہر علی فاروقی

(۳) اردو مرثیے کی سرگزشت - ڈاکٹر اسد اریب

(۴) اصنافِ سخن اور شعری ہیئتیں - شمیم احمد

(۵) خواتین کربلا

کلام انیس کے آئینے میں - صالحہ عابد حسین

(۶) اصول انتقاد ادبیات - عابد علی عابد

(۷) اردو مرثیہ کا ارتقا - ڈاکٹر سید حامد حسین

(ماہنامہ ''شاعر'' بمبئی اگست 1968ء)

(۸) مرثیہ کی سماجیات - ڈاکٹر عقیل رضوی

(۹) مرثیہ - علی عباس حسینی